© rasailojaraid.com

اختر راہی

تاجکستان کا بحران

سابق سوویت یونین کی "ریاستیں" مسلسل تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہیں۔ اشتراکی فلسفۂ زندگی شدید زک اٹھانے کے باوجود مکمل طور پر نابود نہیں ہوا۔ روس میں کٹر کمیونسٹوں نے احتجاجی سیاست اور انتخابی عمل کے ذریعے اپنی قوت کا اظہار کیا ہے۔ اشتراکیت اور قوم پرستی کے بظاہر متضاد نظریات باہم دگر یک جا ہو رہے ہیں۔ کٹر کمیونسٹ روس کو دوبارہ عظیم تر دیکھنے کے قوم پرستانہ جذبات سے سرشار ہیں۔ اقتصادی اعتبار سے مضبوط سلاف نسل کی ریاستوں کے درمیان کشمکش موجود ہے مگر "آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ" کی خالق بھی یہی ریاستیں ہیں۔ مسلم وسطی ایشیا کے سابق کمیونسٹ حکمران جو آزادی کے لیے تیار تھے اور نہ اس کے لیے انہوں نے کوئی جدوجہد ہی کی تھی، سوویت یونین کے ٹوٹنے پر قوم پرست رہنما بن گئے اور حسبِ سابق آمرانہ رویوں کے ذریعے اقتدار پر گرفت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ عوامی سطح پر ابھرتی ہوئی جمہوری اور اسلامی تحریکوں سے انہیں "خطرہ" محسوس ہوتا ہے۔ "اسلامی بنیاد پرستی" کے خوف نے ان قوم پرست اور کلی اختیارات کے مالک رہنماؤں کو روس کے قریب کر دیا ہے۔ مزید براں مغربی ذرائع ابلاغ نے کمیونزم کی جگہ اسلامی احیاء کو دے دی ہے اور رات دن مغربی عوام کو اس سے ڈرانے کے لیے خبریں، فیچر اور مذاکرے نشر کر رہے ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ سے ہم آہنگ مغربی دُنیا کے فیصلہ ساز روس اور وسطی ایشیا کے کلیت پسند حکمرانوں کی تائید کر رہے ہیں۔ اِس پس منظر میں تاجکستان کے بحران نے جنم لیا ہے۔

ایک لاکھ تینتالیس ہزار ایک سو مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ۵۳ لاکھ آبادی کی چھوٹی سی ریاست "تاجکستان" کی "قومی - ریاستی شناخت" کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں۔ آج کے تاجکستان کی جغرافیائی سرحدیں نہ تو کسی واحد روایتی تاجک ریاست کا اظہار کرتی ہیں اور نہ سابق سوویت یونین کے اندر تاجک آبادی کی یک جائی کی مظہر ہیں۔ یہ علاقہ سوویت عہد سے پہلے کبھی ایک سیاسی وحدت نہیں رہا، بلکہ متعدد قبائلی حکمران اپنے اپنے خطے میں خود مختار تھے۔ سامانی بادشاہت (۸۷۵ء - ۹۹۹ء) کو سوویت تاجک فنِ تاریخ نگاری میں تاجک ریاست کا نام دیا جاتا ہے اور دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سامانیوں میں مربوط تاجک قومی خصائص موجود تھے، مگر آج کے تاجکستان کا صرف شمال مغربی حصہ سامانی بادشاہت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شامل تھا، باقی علاقے اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر تھے اور وہاں مقامی حکمران آزاد و خود مختار تھے۔ مشرق کوہستانی علاقہ (گورنو بدخشاں) تو سامانی اثر و رسوخ سے بالکل ہی باہر تھا۔

۱۹۲۰ء کے عشرے میں مسلم وسطی ایشیا کو قومی طور پر واضح ریاستوں / جمہوریتوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس عمل کے ایک حصے کے طور پر ۱۹۲۴ء میں "ازبکستان سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک" کے اندر تاجکستان ایک "خود مختار جمہوریہ" کے طور پر قائم کی گئی جو قدیم امارت بخارا کے مشرقی صوبوں (جو آج کے تاجکستان کا مرکزی اور جنوبی حصہ ہیں۔)، پنج قند اور سابق خود مختار جمہوریہ ترکستان کے کچھ حصوں پر مشتمل تھی۔ ۱۹۲۵ء میں دور دراز کے پامیر سلسلہ کوہ (جو افغانستان اور چین کی سرحد پر واقع ہے۔) کو ترکستان سے نکال کر "خود مختار جمہوریہ تاجکستان" میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۹۲۹ء میں "خود مختار جمہوریہ تاجکستان" کو ازبکستان سے الگ کرتے ہوئے اسے یونین جمہوریہ یعنی "تاجکستان سوویٹ سوشلسٹ ریپبلک" کا درجہ دے دیا گیا۔ بخارا جو سامانیوں کا دارالحکومت تھا اور امارت بخارا کا مرکز، اُسے تو بدستور ازبکستان میں رہنے دیا گیا مگر گنجان آباد اور اقتصادی اعتبار سے اہم خجند کو تاجکستان کا حصہ بنا دیا گیا۔

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ تاجک قومی ریاست / جمہوریہ کا تصوّر بیسویں صدی کے تیسرے عشرے کی پیداوار ہے مگر وسطی ایشیا کے "ترکوں" کے بالمقابل فارسی یا اس کے قریب قریب زبانیں بولنے والوں کو بہت پہلے سے تاجک کہا جاتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ تاجک کی اصطلاح صرف اُن فارسی بولنے والوں کے لیے مخصوص ہو گئی جو وسطی ایشیا، افغانستان کے شمال، ایران کے بالکل مشرق میں واقع علاقوں اور سنکیانگ میں آباد ہیں۔ ۱۹۸۹ء کی سوویت مردم شماری کے مطابق سابق سوویت حدود میں ۴۶ لاکھ تاجک آبادی تھی جس میں سے صرف تیس لاکھ تاجکستان میں آباد تھی۔ باقی ۱۶ لاکھ تاجکوں کی اکثریت (تقریباً دس لاکھ) ہمسایہ ازبکستان میں ہے۔ تاجکستان کی تاجک آبادی (۶۲٫۳ فیصد) کی اکثریت ریاست کے جنوبی اور مشرقی حصوں میں آباد ہے۔ ازبک اور دوسری قومیتوں کے بالمقابل تاجک واحد شناخت رکھتے ہیں مگر زبان کے متعدد لہجوں اور دینی مسلک و مشرب کے اعتبار سے باہم منقسم ہیں۔ گورنو بدخشاں کے لوگ جنھیں سلسلہ کوہ پامیر کی نسبت سے پامیری کہا جاتا ہے، مشرقی ایرانی لہجے میں گفتگو کرتے ہیں جو معیاری تاجک سے کچھ مختلف ہے۔ پامیریوں کا ایک حصہ اسماعیلی شیعہ ہے جب کہ تاجک بحیثیت مجموعی سنی العقیدہ ہیں۔ کرگان تیوبے کے تاجک اپنے آپ کو عرب خیال کرتے ہیں۔

تاجکستان میں ازبک آبادی کا تناسب ۲۳٫۵ فیصد ہے اور اس کا بڑا حصہ خجند (سابق لینن آباد)، حصار اور کرگان تیوبے کے خطوں میں آباد ہے۔ ان خطوں میں ازبک بالترتیب کل آبادی کا ۳۱٫۲ فیصد، ۴۵ فیصد اور ۳۱٫۹ فیصد ہیں۔ تاجک اور ازبک آبادی کے بعد تاجکستان میں تیسری نمایاں ترین قومیت روسی ہیں جو آبادی کا ۶٫۸ فیصد ہیں مگر یوکرینی، تاتار اور دوسری روسی زبان بولنے والی چھوٹی قومیتوں کو شمار کرنے سے اِن کا تناسب کل آبادی کا ۱۰ فیصد بن جاتا ہے۔ روسی آبادی تاجکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے انتظامی محکموں، صنعتی اداروں اور فوج وغیرہ سے وابستہ ہے، اور بالعموم شہروں میں آباد ہے۔ دارالحکومت دوشنبے میں وہ کل آبادی کا چالیس فیصد ہیں اور یوں وہ دارالحکومت کی تاجک آبادی سے قدرے زیادہ ہیں۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد روسی آبادی نے اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرتے ہوئے روس اور یوکرین کی جانب نقل مکانی شروع کر رکھی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ تاجکستان سے جا چکا ہے۔

سوویت عہد میں جغرافیائی مشکلات، آبادی کے مختلف رویّوں اور سوویت پالیسیوں کے تحت تاجکستان کے تمام حصے یکساں طور پر اقتصادی ترقی نہ کر سکے۔ دور دراز کے کوہستانی علاقوں کے رہنے والے روایتی طرزِ زندگی قائم رکھنے میں کامیاب رہے، جب کہ شمال اور بڑے شہروں کی آبادی نے تیزی سے سوویت اندازِ زیست اپنایا۔ اُن خطّوں میں جہاں بصماچی تحریک نے سوویت تسلط کی مزاحمت کی تھی، کمیونزم مضبوط نہ ہو سکا اور یوں کمیونسٹ قیادت میں اِس خطّے کو مناسب نمائندگی نہ مل سکی۔ صنعتی و ترقیاتی پیش رفت شمالی علاقوں اور بالخصوص خجند اور حصار میں ہوئی۔ اسی علاقے نے پورے سوویت دور میں تاجکستان کمیونسٹ پارٹی کو قیادت اور افرادی قوت مہیا کی۔ یوں تاجکستان کمیونسٹ پارٹی پورے تاجکستان کی نمائندہ ہوتے ہوئے خالصتاً ایک علاقے کی پارٹی تھی۔ مزید براں خجند اور حصار کے سب ہی تاجک یکساں طور پر کمیونسٹ پارٹی میں پیش پیش نہ تھے بلکہ قبائلی نظام کے تحت اگر ایک قبیلے کو برتری حاصل ہوئی تو دوسرے قبائل نے علیحدگی اختیار کر لی یا اُنہیں علیحدہ کر دیا گیا۔ اس طرح تاجکستان کی کمیونسٹ قیادت میں وسطی تاجکستان اور جنوب مشرقی سلسلہ کوہ پامیر کے رہنے والوں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا۔

گورباچوف عہد (۱۹۸۵ء - ۱۹۹۱ء) میں پرسترائیکا اور گلاس ناسٹ کی پالیسیاں سابق سوویت یونین کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہیں اور مرکز گریز رجحانات مسلسل تقویت حاصل کرتے گئے۔ سوویت وسطی ایشیا اور بالخصوص تاجکستان میں ان پالیسیوں کے اثرات بہت دیر سے ظاہر ہوئے اور بالکل معمولی رہے، تاہم ۱۹۹۰ء کے آغاز میں کمیونسٹ پارٹی کے بالمقابل جو تنظیمیں وجود میں آئیں، اُن میں قوم پرست، جمہوریت دوست اور اسلامی احیاء کے پروگرام کی حامل مختلف جماعتیں شامل تھیں۔ سرکاری سطح پر قائم "قاضیات" کے سربراہ قاضی اکبر توراجان زادہ حزب اختلاف کے ترجمان بن گئے، اگرچہ اُنھوں نے کسی سیاسی جماعت سے وابستگی اختیار نہ کی۔

۲۵ اگست ۱۹۹۰ء کو تاجکستان نے اپنی "حاکمیت" کا اعلان کر دیا۔ سوویت معیشت کی بدحالی کے ساتھ ساتھ "حاکمیت کے مالک" تاجکستان کو ماسکو سے وہ امداد ملنا بند ہو گئی جس سے تاجکستان کی کشتی رواں تھی۔ تاجکستان کی قدامت پسند قیادت نے اِس احساس کے بعد کہ گورباچوف نے اسے نظر انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا ہے، ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کی بغاوت کی تائید کر دی۔ مگر جب بغاوت کی ناکامی نمایاں ہو گئی تو پینترا بدلتے ہوئے ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء کو تاجکستان کو سوویت یونین سے الگ آزاد و خود مختار قرار دے دیا۔ (آزاد تاجکستان ۱۹۹۱ء کے آخر میں "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" میں شامل ہوا اور مارچ ۱۹۹۲ء میں اس نے اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کی۔)

آزاد و خود مختار تاجکستان ستمبر ۱۹۹۱ء کے فوراً بعد سیاسی کشمکش کا اکھاڑا بن گیا۔ صدر قدرالدین اصلانوف نے بورس یلسن کی پیروی کرتے ہوئے تاجکستان میں کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی مگر تاجکستان پارلیمنٹ نے، جس میں سخت گیر کمیونسٹوں کو قوت حاصل تھی، صدارتی حکم کو کالعدم قرار دینے کی کوشش کی۔ صدر کو الگ کر دیا گیا اور ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی۔ ۲۷ نومبر ۱۹۹۱ء کو نئے صدارتی انتخابات ہوئے۔ کمیونسٹ پارٹی، جو اب سوشلسٹ پارٹی کے نام سے کام کر رہی تھی، کے امیدوار رحمان نبی یوف ۵۷ فیصد ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ حزب اختلاف نے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کیے جانے کے الزامات لگائے اور اس کے دعوے کے مطابق اگر انتخابات منصفانہ ہوتے تو رحمان نبی یوف کے جیتنے کے کوئی امکانات نہیں تھے۔ حزب اختلاف کی جماعتوں —— ڈیموکریٹک پارٹی، رستاخیز اور حزب نہضت اسلامی —— کے مشترکہ امیدوار جناب دولت خدا نذروف نے ۳۰ فیصد ووٹ حاصل کیے۔ جناب خدا نذروف کا تعلق پامیری گروہ سے تھا اور "سپریم سوویٹ آف دی سوویٹ یونین" میں دوشنبے کی نمائندگی کرتے تھے۔ صدارتی انتخابات سے واضح ہوا کہ رحمان نبی یوف بحیثیت مجموعی خجند اور کلیاب کے گنجان آباد خطوں میں تاجک آبادی کے ساتھ ازبکوں اور روسی شہریوں کے ووٹ حاصل کر سکے مگر وسطی تاجکستان اور جنوب مشرقی علاقوں میں اُنہیں کوئی مقبولیت حاصل نہ تھی۔

حزب اختلاف کی جماعتوں میں "حزبِ نہضتِ اسلامی" کی تشکیل اور پیش رفت سابق سوویت یونین میں مزاحمت اور ہمت کی دلاویز مثال ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سوویت دور میں مذہب پر عمل کرنے والوں یا مذہب کی تبلیغ کرنے والوں کو کن کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ سرکاری نظامِ تعلیم میں مذہبی تعلیم کا کوئی امکان نہیں تھا اور معاشرتی سطح پر کے۔ جی۔ بی کے جاسوسوں اور کارندوں نے اس قدر خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا کہ سربراہانِ خاندان اپنے بچوں کو دینی تعلیم منتقل کرنے سے خائف رہتے تھے۔ اسی کے ساتھ مذہب مخالف پراپیگنڈا صبح و شام جاری رہتا تھا۔

مسلم آبادی کو اُس کے دین اور روایات سے دور کرنے کے لیے متعدد حربوں میں سے ایک حربہ یہ اختیار کیا گیا کہ اُن کی زبانوں کا رسم الخط بدل دیا گیا۔ وسطی ایشیا کے مسلمان اپنی زبانیں عربی و فارسی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ پہلے اس کی جگہ رومن رسم الخط رائج کیا گیا اور پھر ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۸ء کے درمیان اسے روسی رسم الخط سے بدل دیا گیا۔ بڑے بوڑھے جو نوجوانوں کو چوری چھپے دینی تعلیم منتقل سکتے تھے، ناکارہ ہو کر رہ گئے کہ نئی نسل سرے سے عربی و فارسی رسم الخط سے آگاہ نہ تھی۔ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھنا ناممکن ہو گیا اور خود قرآن مجید پڑھانے والے مدارس (جو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے) سوویت خارجہ پالیسی کے مقاصد پورے کرنے کے لیے تھے۔ جہاں وسطی ایشیا میں کبھی ہزاروں مساجد اور مکاتب تھے، صرف ۲۵۰ مسجدیں رہ گئیں۔ دوسرے لفظوں میں دو لاکھ مسلمانوں کے لیے ایک مسجد تھی اور یہ بھی اُن بوڑھوں کے لیے جو سرمایۂ عمر کمیونزم کی تائید کرنے یا کم از کم اِسے برداشت کرنے میں صرف کر چکے تھے۔

ریاست کی مذہب دشمنی، رسم الخط کی تبدیلی اور مذہبی اداروں کی عدم موجودگی کے باوجود وسطی ایشیا کے مسلمان اپنی ثقافتی روایات سے وابستہ رہے۔ ثقافت اُن کی پہچان بن گئی اور اس کی حفاظت و ترویج میں بعض اوقات وہ لوگ بھی پیش پیش رہے جو نظریاتی اعتبار سے پکّے کمیونسٹ تھے۔ ثقافت کا تصوّر بہت محدود کر کے پیش کیا گیا۔ ٹوپی کے رنگ اور اس کے "کونوں" کی تعداد کے حوالے سے ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے سے الگ بتایا گیا۔ ازبک ٹوپی اور تاجک ٹوپی میں فرق کیا گیا، مگر سر پر ٹوپی رکھنے کے عمل میں وحدت تلاش نہ کرنے دی گئی، تاہم ثقافت کے محدود تصوّر میں بھی اسلامی روایات اور اقدار موجود تھیں۔ خورد و نوش، رہن سہن اور میل ملاپ میں یہ اقدار کلیتاً کبھی ختم نہ ہوئیں۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب حالات بوجوہ مذہب کے موافق ہوئے، ماسکو نے مذہب دشمنی کے اپنے رویوں پر نظرثانی کی تو مساجد کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ زیرزمین کام کرنے والے اسلامی گروپوں کو اپنا کام پھیلانے کا موقع میسر آیا۔ ماسکو کے بدلے ہوئے زاویۂ نظر کے ساتھ وسطی ایشیا کے قریب ایران میں انقلاب اور افغان جہاد نے اسلام کی آواز میں جان پیدا کر دی۔ وسطی ایشیا اور روس کے مسلمان علاقوں میں احیائے اسلام کے آثار نظر آنے لگے۔ ۱۹۸۵ء میں مساجد کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی اور پانچ سال بعد ۱۹۹۰ء میں یہ تعداد گیارہ سو سے متجاوز تھی۔

۹ جون ۱۹۹۰ء کو استرخان میں احیائے دین سے دلچسپی رکھنے والے کارکنوں کے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ "حزب نہضت اسلامی" کی تشکیل کا باقاعدہ اعلان کیا جائے۔ اس کے بعد ماسکو سے پورے سوویت یونین کی بنیاد پر پارٹی کی تنظیم شروع کی گئی۔ اگست ۱۹۹۰ء میں تاجکستان میں اس کی شاخ قائم کر دی گئی۔ تاجکستان کی "حزبِ نہضت اسلامی" ابتداءً آل سوویت یونین پارٹی کی شاخ تھی۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے پر اس نے جداگانہ اور آزاد پارٹی کی شکل اختیار کی، مگر تاجکستان کے مروّجہ قوانین کے تحت اسے قانونی طور پر تسلیم نہ کیا گیا۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو تاجک پارلیمنٹ نے تند و تلخ بحث کے بعد ایک نئے قانون کی منظوری دی جس کے تحت اُن جملہ قوانین کو منسوخ کیا گیا جو دینی نوعیت کی سیاسی جماعتوں کی تشکیل کے خلاف تھے۔ قانون منظور ہونے کے دو روز بعد "حزبِ نہضت اسلامی" نے ملک گیر اجتماع منعقد کر کے اپنے دستور اور پروگرام کا اعلان کیا۔ تاجکستان میں حزبِ نہضتِ اسلامی کے قائدین میں جناب محمد شریف ہمت زادہ اور شیخ عبداللہ شامل ہیں۔ اول الذکر "حزبِ نہضتِ اسلامی" کے امیر اور جناب شیخ عبداللہ بڑے مقبول عوامی مقرر ہیں۔ اپنے علم و فضل اور سوویت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور میں قید و بند کی آزمائشوں سے گزرنے کے باعث عوام میں مقبولیت رکھتے ہیں۔ "حزبِ نہضتِ اسلامی" یوں تو پورے تاجکستان میں اثر و رسوخ کی مالک ہے، تاہم اِسے مشرقی تاجکستان میں نسبتاً زیادہ قوت حاصل ہے۔

مغرب کے علمی حلقوں میں تاجکستان کی "حزبِ نہضتِ اسلامی" کو بالعموم زیادہ اہمیت نہ دی گئی اور جب "حزب" کی سرگرمیاں اخبارات کے ذریعے سامنے آئیں تو اسے انقلابِ ایران کے زیرِ اثر جذباتی ابال قرار دیا گیا جسے مغربی اہلِ علم کی رائے میں کے۔ جی۔ بی اپنی Disinformation مہم کے لیے استعمال کر رہی تھی۔ یقیناً انقلابِ ایران اور بعد ازاں افغان جہاد میں مسلمان عوام کی قربانیوں نے تکلیفیں برداشت کرنے اور راہِ خدا میں جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کیا مگر "حزبِ نہضتِ اسلامی" یا احیائے اسلام کی تحریک محض اِن واقعات کی صدائے بازگشت نہ تھی۔ "حزب" کے موجودہ رہنماؤں نے ۱۹۷۰ء میں اُس وقت اپنے کام کا آغاز کیا تھا جب ایران پر شاہ کی گرفت مضبوط تھی۔ "حزب" کے کارکن عالمی اسلامی تحریک کے رہنماؤں کی تحریروں سے باخبر تھے اور اپنے زیرِ زمین حلقوں میں ان پر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ سوویت حکمران اپنی خارجہ پالیسی کی نزاکتوں کے تحت احیائے اسلام کی تمنا رکھنے والے "ملاؤں" کو تختۂ دار پر تو نہ کھینچ سکے اور نہ دوبارہ مذہبی نیم آزادی کو ختم کر سکے مگر جب بھی اُنھیں کسی "کارکن" کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ اجتماعی دینی سرگرمیوں میں شامل ہے تو اسے شہر بدر کر دیا۔ ایک گاؤں سے دور دوسرے گاؤں میں پھینک دیا۔ گو اِس طرح "حزب" کے کارکنوں کو کچھ تکالیف برداشت کرنا پڑیں مگر یہ مخالفانہ پالیسی بالواسطہ "حزب" اور اِس کے پروگرام کو دور دور تک متعارف کرانے کا باعث بن گئی۔

نومبر ۱۹۹۱ء کے انتخابات کے بعد رحمان نبی یوف نے اقتدار سنبھالتے ہی قدیم کمیونسٹوں کے رنگ ڈھنگ اپنا لیے۔ جنوری ۱۹۹۲ء میں کمیونسٹ پارٹی سے پابندی ہٹالی گئی اور پارٹی کانفرنس جس میں "سوشلسٹ پارٹی" کو دوبارہ کمیونسٹ پارٹی کا نام دیا گیا، یہ بھی کہا گیا کہ یہ عمل سابق سوویت یونین کی بحالی کی جانب اقدام ہے۔ اجتماع اور پریس کی آزادی پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ دوشنبے کے ایک سابق میئر مقصود اکراموف کو، جس نے وسطِ شہر سے لینن کا مجسمہ ہٹانے کا حکم دیا گیا تھا، بدعنوانی کے الزام میں قید کر دیا گیا۔ (مارچ ۱۹۹۲ء) آمرانہ طرزِ حکومت اور مفادات پر مبنی تعلقات کے دائرے بحال ہو گئے نیز عوام کی خواہشات کو مناسب جگہ نہ مل سکی۔ آہستہ آہستہ اضطراب بڑھتا گیا اور ۲ مئی کو جب رحمان نبی یوف نے اپنے زیرِ کمان نیشنل گارڈز تشکیل دینے کا اعلان کیا اور ۱۸۰۰ خود کار رائفلیں اپنے حلقۂ اثر میں تقسیم کیں تو اُن کے ناقدین سڑکوں پر نکل آئے۔ مظاہرے اور احتجاج کا سلسلہ اُس وقت تک ختم نہ ہوا جب تک رحمان نبی یوف نے حزبِ اختلاف کی جماعتوں، ڈیموکریٹک پارٹی اور حزبِ نہضتِ اسلامی کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے پر رضامندی کا اظہار نہ کر دیا۔ (۱۱ مئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۹۲ء) پارلیمنٹ میں حزبِ اختلاف کو نصف نشستیں اور حکومت کے آٹھ عہدے بشمول نائب صدارت دی گئی۔ نئے انتظام میں "حزبِ نہضت اسلامی" کے جناب عثمان دولت نائب صدر بن گئے مگر اِس نئے انتظام کو خجند اور کلیاب میں تسلیم نہ کیا گیا۔

جناب رحمان نبی یوف نے قوم پرستانہ جذبات کی تسکین کے لیے کچھ اقدامات کیے۔ تاجک کو سرکاری زبان کا درجہ دیا اور کسی حد تک اسلامی حوالوں کا استعمال ہونے لگا، تاہم اُنھوں نے حزبِ اختلاف کی جماعتوں کو مختلف طریقوں سے بدنام کرنے کی کوششیں بھی جاری رکھیں۔ کبھی تو اُنھیں بنیاد پرستی کا داعی قرار دے کر تاجکستان کو ایرانی طرز کی اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے کوشاں قرار دیا اور کبھی اُنھیں فتنہ و فساد کا باعث بتایا۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ "حزبِ نہضتِ اسلامی" واضح طور پر قرآن و سنت کے نفاذ کی داعی ہے۔ اِس کے رہنماؤں نے بار بار کہا ہے کہ "حزب" تبدیلی کے لیے جمہوری راستہ اختیار کرنا چاہتی ہے۔ اِس صورت حال میں حزبِ اختلاف کی جماعتیں بھی جناب رحمان نبی یوف کے لیے زیادہ نرم گوشہ پیدا نہ کر سکیں۔ مخلوط حکومت کمزور معیشت کو سہارا نہ دے سکی۔ افراطِ زر کی شرح بڑھ کر ۱۰۷ فیصد ہو گئی اور ملکی پیداوار ۸۶ء۷ فیصد کم ہو گئی۔ ایک بار پھر پُر تشدد مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا مگر رحمان نبی یوف نے عوام کا موڈ دیکھنے کے بجائے جبر و قوت سے اقتدار پر قائم رہنے کی کوشش کی۔ ایک ہزار سے زائد قیمتی جانیں ضائع ہونے پر اُنھوں نے استعفاء دیا۔ (۷ ستمبر ۱۹۹۲ء) پارلیمنٹ کے اسپیکر جناب اکبر شاہ اسکندروف کو عارضی صدر بنایا گیا جن کا تعلق گورنو بدخشاں سے تھا۔

تاجکستان میں جمہوری اور اسلامی قوتوں کی کامیابی نہ تو رحمان نبی یوف کے حامیوں کو پسند تھی اور نہ وسطی ایشیا کے دوسرے ممالک بالخصوص تاجکستان کے طاقتور ہمسایہ ازبکستان کے صدر جناب اسلام کریموف کو۔ ۵۶ سالہ جناب اسلام کریموف نے حزبِ اختلاف کی کامیابیوں کو اپنے لیے خطرہ خیال کیا ہے۔ وہ ایک مشاق سیاست دان ہیں جو شناخت تبدیل کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ ابتدائی زندگی میں یتیم ہو گئے تھے اور سمرقند کے تاجک ماحول میں پلے بڑھے۔ ازبکستان کمیونسٹ پارٹی میں سیاسی تربیت پائی۔ گورباچوف کے خلاف قدامت پسندوں کی بغاوت (اگست ۱۹۹۱ء) کو اُنھوں نے درست اقدام قرار دیا تھا، مگر جوں ہی بغاوت ناکام ہوئی، ایک قوم پرست رہنما کے طور پر "نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی" کے رہنما بن گئے۔ اگرچہ نئی پارٹی کا انحصار مکمل طور پر سابق کمیونسٹ پارٹی اور اُس کے وسائل پر ہے۔ جناب کریموف نے دوسری نوآزاد ریاستوں کی طرح عوام سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کی مشق کی ہے، مگر حزبِ مخالف کی جماعت برلیک (اتحاد) کے جناب عبدالرحیم کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی۔ اگرچہ جناب کریموف ازبک قوم پرست رہنما ہیں مگر تاجک معاشرے میں پرورش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باعث ازبک تکلف سے بولتے ہیں۔

۱۹۹۲ء کے وسط تک یہ اطلاع تھی کہ نوآزاد وسطی ایشیا میں عوام اسلام کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں۔ دو برسوں میں ازبکستان میں باقاعدہ مساجد کی تعداد ۷۰ سے بڑھ کر ۲۳۰۰ ہو گئی۔ "حزبِ نہضت اسلامی" ازبکستان میں بھی منظم تھی اور "وادی فرغانہ" میں اسے قابلِ لحاظ اثر و رسوخ حاصل تھا۔ تاجکستان کے واقعات دیکھتے ہوئے اور ازبکستان میں اسلامی احیاء کی رفتار سے جناب کریموف چنداں خوش نہ تھے۔ اندرون ملک اُنھوں نے حزبِ اختلاف، چاہے اُس کا تعلق قوم پرستوں سے ہو یا احیاء دوستوں سے، کے ساتھ سخت روّیہ اختیار کر لیا۔ مارچ ۱۹۹۲ء میں صوبہ نمنگان میں اسلامی حکومت خود اختیاری کو ریاستی قوت کے ساتھ ختم کر دیا۔ متعدد سیاسی کارکن گرفتار کر لیے گئے۔ "آزاد ریاستوں کی دولت مشترکہ" کے وزرائے خارجہ اور وزرائے دفاع کے ایک مشترکہ اجلاس (تاشقند: ۱۶ جولائی ۱۹۹۲ء) میں اُنھوں نے درخواست کی کہ افغان سرحد پر "دولتِ مشترکہ" کے دستوں میں اضافہ کیا جائے تاکہ تاجکستان میں ہتھیاروں کی آمد روکی جا سکے۔ خود اُنھوں نے تاجکستان کے ساتھ اپنی سرحد بند کر دی۔ دوشنبے اور تاشقند کے درمیان ہوائی سروس معطل کر دی گئی تاکہ ازبکستان میں تاجک سیاسی کارکن داخل نہ ہو سکیں۔

تاجکستان میں اسلحے کی کمی نہیں اور مخالف دھڑے مسلح ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ، ازبکستان اور وسطی ایشیا کی دوسری قدامت پسند ریاستوں کے خیال میں تاجکستان کے جمہوریت دوستوں اور "حزبِ نہضت اسلامی" کو اسلحہ ایران اور افغانستان سے ملتا ہے۔ گو ایران اس سلسلے میں مسلسل انکار کرتا رہا ہے اور ایران کی جغرافیائی سرحد تاجکستان سے نہیں ملتی۔ ایرانی نقطۂ نظر کے مطابق ایران تاجکستان کے ساتھ اچھے تعلقات کا خواہاں ہے، اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ تاجکستان میں کون حکمران ہے۔ افغانستان کی غیر واضح سیاست اور مختلف فکر و خیال کے افراد پر مشتمل حکومت سے کسی واضح پالیسی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ کسی تنظیم اور یک سُو حکومت کی غیر موجودگی میں حکومت افغانستان کو اسلحے کا ذریعہ قرار دینا درست نہیں، تاہم اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ افغانستان کے تاجک قبائلی اپنے بھائی بندوں سے، جو نظریاتی طور پر بھی اُن کے قریب ہیں، تعاون کرتے ہوں۔

تاجکستان کے اندر جمہوری اور اسلامی قوّتوں کا کہنا ہے کہ تاجکستان میں مقیم "دولتِ مشترکہ" کی روسی افواج اسلحے کی فراہمی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ روسی سپاہیوں کے حوصلے اتنے پست ہیں کہ وہ تاجکستان میں مقیم نہیں رہنا چاہتے اور وہ کسی بھی فریق کو معمولی داموں اسلحہ فروخت کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ تاہم سبب کچھ بھی ہو تاجکستان کے پُر تشدد مظاہروں میں اسلحے کا استعمال ہوتا رہا ہے اور سب ہی متحارب فریقوں کو کم و بیش اسلحے تک رسائی حاصل ہے۔

وسطی ایشیا کے قدامت پسند رہنماؤں کے ساتھ روس کو تاجکستان میں جمہوری اور اسلامی قوّتوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیابی پسند نہیں۔ اِس کے متعدد اسباب ہیں۔ اولاً تاجکستان میں جو لوگ روسی بولنے والے ہیں، اُن کی جان و مال کی حفاظت روس اپنی ذمہ داری خیال کرتا ہے۔ تاجکستان میں شروع سے ڈویژن ۲۰۱ موجود ہے۔ جو تاجکستان کی قومی فوج کی تشکیل تک وہیں مقیم رہے گا۔ اس فوجی ڈویژن کے پاس روسی اسلحہ اور ساز و سامان ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ ثانیاً تاجکستان میں اسلامی قوتوں کی کامیابی سے روس کے اندر "خود مختار مسلم جمہوریتیں" اِس راہ پر چل سکتی ہیں۔ ثالثاً سابق سوویت یونین کے زوال کے باوجود روس کی خواہشات اپنی سرحدوں کے اندر محدود رہنے کی نہیں ہیں۔ یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء کو چین کے وزیر خارجہ نے بی۔ بی۔ سی کو انٹرویو دیتے ہوئے بورس یلسن کو "جمہوریت دوست" کے بجائے "قوم پرست" کہا اور اس خدشے کا اظہار کیا کہ "بورس یلسن کی قیادت میں زار شاہی دور کا روس آسانی سے ابھر سکتا ہے۔" جناب یلسن اور روس کے دوسرے قائدین اب اس بات کو زیادہ چھپانے کے خود بھی قائل نہیں۔ ۲۸ فروری ۱۹۹۳ء کے ایک پالیسی بیان میں جناب یلسن نے کہا کہ اس امر کو تسلیم کر لیا جائے کہ سابق سوویت ریاستوں کے بارے میں اُس کی رائے حاوی ہونی چاہیے۔ رائٹر کے الفاظ میں جناب یلسن نے کہا۔

> میرا خیال ہے، اب وہ لمحہ آ چکا ہے کہ ذمہ دار بین الاقوامی تنظیمیں بشمول اقوام متحدہ سابق سوویت یونین کے خطّے میں استحکام اور امن و امان کے ضامن کی حیثیت سے روس کو اختیارات سونپ دیں۔ روس سابق سوویت یونین کے تمام مسلح تصادموں کو ختم کر دینے میں دلچسپی رکھتا ہے۔

جنابِ یلسن نے مزید کہا کہ روس اس بات کے لیے تیار ہے کہ "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" کی نسبت زیادہ متحد اور مضبوط تنظیم قائم کر لی جائے۔ اس کے بعد روسی رہنماؤں کی جانب سے وسطی ایشیا کی ریاستوں کو کُھلے لفظوں میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اُنہیں "آزاد ریاستوں کی دولتِ مشترکہ" یا مسلمان ممالک کے ساتھ اتحاد و تعاون میں سے کسی ایک کو منتخب کر لینا چاہیے۔

رحمان نبی یوف کے مستعفی ہونے سے چار روز پہلے ازبکستان، کرغیزستان، قازقستان اور روس کے صدور نے مشترکہ طور پر اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ تاجکستان کی داخلی صورتِ حال "دولتِ مشترکہ" کے لیے خطرہ ہے۔ (ستمبر ۱۹۹۱ء) خطرے کا الارم بجانے کے بعد تاجکستان میں مزید فوجی دستے بھیج دیے گئے جن میں اگرچہ وسطی ایشیا کی نمائندگی بھی موجود تھی، تاہم غالب اکثریت روسی دستوں کی تھی۔

اکتوبر کے آغاز میں اسلامی - جمہوری مخلوط حکومت کے خلاف "پیپلز فرنٹ" کی سربراہی میں مسلح جدوجہد شروع ہو گئی۔ "پیپلز فرنٹ" کو عوامی تحریک کا نام دیا گیا مگر حقیقتاً یہ جنوبی صوبہ کلیاب کی ملیشیا تھی جس کی قیادت سنگک صفاروف کے ہاتھ میں تھی اور اِسی کا فیلڈ کمانڈر فیض علی سعیدوف تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنجک صفاروف نے سوویٹ دور میں قتل اور دوسرے جرائم کے الزام میں ۲۳ سال سوویت جیلوں میں گزارے تھے۔ "پیپلز فرنٹ" کو ازبکستان اور روس کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ ۲۴-۲۶ اکتوبر کو اس نے رحمان نبی یوف کو دوبارہ برسر اقتدار لانے کے لیے دوشنبے پر چڑھائی کی مگر مخلوط حکومت کے دستے اسے دوشنبے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ بعد ازاں خجند میں تاجکستان پارلیمنٹ کا ایک خصوصی اجلاس بلایا گیا جس میں رحمان نبی یوف کے سابقہ استعفاء کو خلاف ضابطہ قرار دیا گیا (جس کے نتیجے میں اکبر شاہ اسکندروف قائم مقام صدر بنے تھے) اور از سرِ نو استعفاء لیا گیا۔ (بعد میں ۱۰ اپریل ۱۹۹۳ء کو دل کا دورہ پڑنے سے رحمان نبی یوف کا انتقال ہو گیا۔) پارلیمنٹ نے صدر کا عہدہ ختم کر دیا اور پارلیمنٹ کے چیئرمین کے طور پر امام علی رحمانوف کا تقرر عمل میں آیا۔ (۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء) پارلیمنٹ کے اس فیصلے کے بعد "پیپلز فرنٹ" نے ازبکستان کی تائید اور عملی حمایت کے ساتھ دوشنبے کی اسلامی - جمہوری حکومت کے خلاف لڑائی جاری رکھی۔ ازبک طیاروں کی بمباری اور براہِ راست مداخلت کی اسلامی - جمہوری حکومت کے حامی دستوں اور ملیشیاؤں نے مزاحمت کی، تاہم شدید لڑائی اور قتل و غارت کے بعد ازبکستان اور روس کی مسلح کی ہوئی تنظیمیں رحمان نوف کو دوشنبے میں برسرِ اقتدار لانے میں کامیاب ہو گئیں۔ (۱۴ دسمبر ۱۹۹۲ء)

ابتداءً یہ خیال کیا گیا کہ امام علی رحمانوف محض برائے نام حکمران ہیں اور حقیقی اختیارات "پیپلز فرنٹ" کے چیئرمین سنجک صفاروف کے پاس ہیں، مگر امام علی رحمانوف نے آہستہ آہستہ گرفت مضبوط کر لی ۔ (۲۹ مارچ ۱۹۹۳ء کو مبیّنہ طور پر کرگان تپہ میں سنجک صفاروف اور فیض علی سعیدوف نے ایک جھڑپ میں ایک دوسرے کو ہلاک کر دیا۔)

امام علی رحمانوف کی کمیونسٹ حکومت نے برسرِ اقتدار آ کر ناقابلِ بیان بے رحمی کے ساتھ اپنے مخالفین کو کچلنے کی کوشش کی۔ حزبِ اختلاف کی تمام جماعتیں خلاف قانون قرار دے دی گئیں اور اُن کی قیادت گرفتار کر لی گئی۔ ۳۷ اخبارات بند کر دیے گئے۔ ۲۰ صحافی قتل ہو گئے، ۴۰ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کہاں ہیں؟ اور ۱۰ جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ "پیپلز فرنٹ" اور امام علی رحمانوف کی حامی دوسری قوتوں نے جس طرح حزب اختلاف کو کچلا ہے، اس کے نتیجے میں آبادی کا تقریباً دسواں حصہ بے گھر ہو گیا۔ تقریباً نوے ہزار کے لگ بھگ افراد کو افغانستان میں پناہ لینا پڑی ہے۔ ان بے گھر لوگوں کے لیے یہی کیا کم تھا کہ گھر بار سے دور خیمہ بستیوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے۔ سرحد پار سے حملوں کی آڑ لے کر روسی دستوں نے اُنھیں اپنے حملوں کا نشانہ بنائے رکھا۔ (جولائی ۱۹۹۳ء) یہ صورت حال افغانستان کے خلاف سابق سوویت یونین کی اختیار کردہ پالیسی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ افغانستان کے رہنماؤں نے اپنے ملک کی سرحدوں کی خلاف ورزی پر شدید احتجاج کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، مگر معاملات کو اپنی سیاسی کمزوریوں کے تحت بہتر طور پر طے نہ کر سکے۔

امام علی رحمانوف کی کلیت پسند حکومت کو روس اور ہمسایہ ریاستوں کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ اسے روس سے اُسی طرح امداد ملنے لگی ہے جیسے سوویت دور میں ملتی تھی۔ بعض اطلاعات کے مطابق حکومت تاجکستان کے ۷۰ فیصد اخراجات روسی امداد سے پورے ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی گزشتہ سال ازبکستان میں امریکی سفیر نے ۳۵ ملین ڈالر امداد کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اُس کی حکومت دوشنبہ کے حالیہ انتظامات کو درست خیال کرتی ہے۔ ۲۵ مئی ۱۹۹۳ء کو کریملن میں روس اور تاجکستان کے درمیان دوستی، تعاون اور باہمی امداد کا اُسی طرح کا ایک معاہدہ ہوا، جس طرح کبھی افغانستان اور روس کے درمیان طے ہوا تھا۔ اِس معاہدے کے تحت روسی افواج کو تاجکستان میں وہ سب کچھ کرنے کا اختیار حاصل ہے جو کبھی افغانستان میں ہوا تھا۔ (بعد میں ۱۵ جولائی ۱۹۹۳ء کو روسی پارلیمنٹ نے اس معاہدے کی توثیق کر دی۔) روسی افواج کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے اور عملاً وہی تاجکستان کی سلامتی و دفاع کی ذمہ داری ہیں۔

تاجکستان کے بحران سے چند باتیں واضح ہو گئی ہیں۔

* وسطی ایشیا کے سابق کمیونسٹ اور آج کے قوم پرست حکمران جمہوری اور اسلامی قوتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی سابقہ روایت کے مطابق آمرانہ اختیارات کے مالک رہیں گے۔

* روس سابق سوویت یونین کی جمہوریتوں (بشمول وسطی ایشیا) کو اپنے دائرہ اثر و رسوخ میں شامل سمجھتا ہے۔ تاجکستان، افغانستان سرحد پر روسی دستوں کی تعیناتی اور صدر یلسن کا واشگاف الفاظ میں یہ کہنا کہ "تاجکستان - افغانستان سرحد حقیقتاً روس کی سرحد ہے۔" اِس حقیقت کی غماز ہے۔

* روس وسطی ایشیا کی ریاستوں میں اسلامی اثر و رسوخ کی تقویت کو اپنے لیے خطرہ خیال کرتا ہے اور اسلامی اثرات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرے گا۔ اِس عمل میں اُسے اپنے روایتی حریف یعنی مغربی دنیا کی پوری تائید حاصل ہے۔ شاید مستقبل میں بھی رہے گی۔

* پاکستان، افغانستان اور ایران کی تمنا ہے کہ سابق سوویت یونین کی نو آزاد مسلم ریاستوں کے ساتھ اُن کے قریبی سیاسی و اقتصادی روابط قائم ہوں۔ اِس سلسلے میں جو پیش رفت ہوئی ہے، اس کی مزید کامیابی کا انحصار جہاں خود اِن ریاستوں کے طرزِ عمل پر ہے، وہیں روس کا طرزِ عمل مستقبل میں بنیادی کردار کا حامل ہو گا۔

© rasailojaraid.com